# فقہِ حنفی اور اُس کا منہجِ اِستنباط

مولانا مدثر جمال تونسوی

بہاولپور

## بحث کا تعارف

فقہِ حنفی سے مراد وہ مسائل ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے منہجِ استنباط کے مطابق اَخذ کیے جاتے ہیں۔ اور ''منہجِ استنباط'' سے مراد وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے اس مسلک سے وابستہ اہلِ علم نت نئے مسائل کا شرعی حل دریافت کرتے ہیں۔ اس معنیٰ کے لیے دوسرا مشہور لفظ ''اُصولِ اجتہاد'' ہے، جس کی تفصیلات ''علمِ اصولِ فقہ'' کی کتب میں بیان کی جاتی ہیں۔

بحث آگے بڑھانے سے قبل مناسب ہے کہ اس عنوان کی تعریف ذکر کر دی جائے۔

''مَنْهَج'' کہتے ہیں ''واضح راستے'' کو، اور ''مَنْهَج'' کی جمع ''مَنَاهِج'' ہے۔

''استنباط'' کا معنی ہے: ''الاستخراج بفهمٍ و اجتهادٍ'' یعنی سمجھ بوجھ اور کوشش کر کے کسی چیز کو نکالنا۔ فقہ میں اس کا معنی ہے: ''استخراج المجتهد المعانيَ و الأحكامَ الشرعيةَ من النصوص و مصادر الأدلة الأخرى'' یعنی مجتہد کا الفاظ سے معانی، اور نصوص اور دیگر دلائل سے احکامِ شرعیہ حاصل کرنا۔

پھر ''منہجِ استنباط'' کی لقبی تعریف کی جائے تو وہ کچھ یوں بنے گی:

''هو علم يعرف فيه الدلائل التي يستنبط منها الأحكام الشرعية العملية.''

یعنی ایسا علم جس کے ذریعے اُن دلائل کی معرفت حاصل ہو، جن کی بنیاد پر اَحکامِ شرعیہ عملیہ کو سمجھ بوجھ اور محنت و کوشش سے معلوم کیا جاتا ہے۔

## (۱) حنفی مذہب اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جامع تعارف

حنفی مذہب کے امام، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی ولادت کوفہ میں سن ۸۰

ہجری میں، اور وفات بغداد میں سن ۱۵۰ ہجری میں ہوئی اور اس وقت جہاں آپ کی قبر ہے، اس علاقے کو ''اعظمیہ'' کہا جاتا ہے۔ آپ کے زمانے میں اہلِ علم دو گروہوں میں تقسیم تھے:

**اہلِ حدیث:.....** اس سے مراد وہ لوگ تھے جن کی توجہ اور کاوشوں کا اصل محور احادیثِ نبویہ تھیں، اور اجتہادی مسائل کی طرف توجہ بس ضرورت کے کم سے کم درجے تک محدود تھی۔

**اہلِ رائے:.....** اس سے مراد وہ لوگ تھے جن کی توجہ اور کاوشوں کا اصل محور فقہی مسائل اور اجتہادی مباحث تھیں، اور اسی لیے یہ حضرات عموماً انہی احادیثِ نبویہ تک اپنی توجہ مبذول رکھتے تھے، جن کا تعلق مسائل واحکام سے ہوتا تھا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ: ۴۸۲ھ) کا بہترین تبصرہ نقل کر دیا جائے، آپ تفقہ فی الدین کی فضیلت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''و أصحابنا -رحمهم الله- هم السابقون في هٰذا الباب و لهم الرتبة العليا و الدرجة القصوىٰ في علم الشريعة و هم الربانيون في علم الكتاب و السنة و ملازمة القدوة و هم أصحاب الحديث و المعاني. أما المعاني فقد سلم لهم العلماء حتى سموهم: أصحابَ الرأيِ، و الرأيُ: اسم للفقه الذي ذكرنا.''

''تفقہ فی الدین کے باب میں ہمارے اصحاب (حنفیہ) سب سے آگے ہیں، اور علمِ شریعت کے بارے میں اُنہی کو بلند مرتبہ اور انتہائی فضیلت حاصل ہے، کتاب وسنت کے علم اور قابلِ اقتداء لوگوں کی پیروی میں یہی علمائے ربانی ہیں اور حق یہ ہے کہ ہمارے اصحاب' حدیث کے بھی ماہر ہیں اور اُن کے معانی کے بھی، چنانچہ فقہِ حدیث کی مہارت کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا کہ علماء نے انہی کو ''اہل الرائے'' کا لقب دیا ہے اور یہ بات ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ''رائے'' فقہ کا ہی نام ہے۔''

اس کے بعد چند دلائل اس بات کے بیان کیے ہیں کہ علمائے حنفیہ احادیثِ نبویہ کو بھی سب سے زیادہ مقدم رکھنے والے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''وهم أولىٰ بالحديث أيضًا، ألا يرى أنهم جوزوا نسخ الكتاب بالسنة لقوة منزلة السنة عندهم، و عملوا بالمراسيل تمسكًا بالسنة والحديث، و رأوا العمل به مع الإرسال أولىٰ من القياس بالرأي، وقدموا رواية المجهول على القياس، و قدموا قول الصحابيؓ على القياس.''

''ہمارے اصحاب' حدیث کو بھی سب سے زیادہ لینے والے ہیں، کیا دِکھتا نہیں کہ ہمارے

ہاں سنت کا اتنا مضبوط درجہ ہے کہ اس کی بنیاد پر قرآنی حکم کا نسخ بھی جائز رکھا گیا ہے۔ پھر ہمارے علماء مرسل احادیث کو بھی قبول کرتے ہیں، تاکہ سنت وحدیث سے تعلق مضبوط رہے، اور قیاس کے مقابلے میں حدیثِ مرسل کو زیادہ قابلِ عمل سمجھتے ہیں، اسی طرح غیر معروف صحابیؓ کی حدیث کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، حتیٰ کہ صحابیؓ کے قول کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔''

پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''قال محمد -رحمه الله تعالىٰ- في كتاب ''أدب القاضي'': لا يستقيم الحديث إلا بالرأي و لا يستقيم الرأي إلا بالحديث، حتى أن من لا يحسن الحديث أو أعلم الحديث و لايحسن الرأي : قال: لايصلح للقضاء و الفتوىٰ.''

''امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''أدب القاضي'' میں لکھا ہے: حدیث' فقہ کے بغیر درست نہیں ہوسکتی اور فقہ' حدیث کے بغیر درست نہیں ہوسکتی، چنانچہ جو شخص حدیث بہتر نہ جانتا ہو یا فقہی اصول کا ماہر نہ ہو تو وہ قاضی بننے یا فتویٰ دینے کا صحیح اہل نہیں ہوسکتا۔''

(اصول البزدوی، ص: ۹۳-۹۴، بتحقیق الدکتور سائد بکداش)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی نئے طریقے کو رائج نہیں کیا تھا، بلکہ آپ کا علمی سلسلہ سندِ متصل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑا ہوا ہے، البتہ آپؒ نے اپنے اساتذہ سے چلے آنے والے سلسلے کو زمانی وسعتوں کے پیشِ نظر اس قدر وسیع اور مضبوط بنایا کہ یہ سلسلہ آپ کی طرف ہی منسوب ہوا۔ بات آگے بڑھانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے متصل علمی سلسلے کا ایک اجمالی نقشہ پیش کر دیا جائے:

| | |
|---|---|
| امام ابوحنیفہؒ کے استاذ | امام حماد بن ابوسلیمانؒ (متوفیٰ: ۱۲۰ھ) |
| امام حماد بن ابوسلیمانؒ کے استاذ | امام ابراہیم نخعیؒ (متوفیٰ: ۹۵ھ) |
| امام ابراہیم نخعیؒ کے استاذ | امام علقمہ بن قیس نخعیؒ (متوفیٰ: ۶۲ھ) |
| امام علقمہ بن قیس نخعیؒ کے استاذ | عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ (متوفیٰ: ۳۲ھ) |

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، نبی کریم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے معروف صاحبِ علم اور صاحبِ فقہ صحابہؓ میں شمار ہوتے ہیں۔

اس سلسلے کے تمام افراد علم وفقہ کے مایہ ناز اور قابلِ فخر افراد ہیں، بلکہ امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر کے مطابق یہ حضرات علومِ نبویہ کے جامعین اور سرچشمے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصولِ اجتہاد کا بہترین خاکہ وہ ہے جو خود امام صاحبؒ سے منقول ہے اور جو دیگر متعدد کتابوں کے علاوہ خطیب بغدادی شافعیؒ نے بھی نقل کیا ہے، چنانچہ خود امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آخذ بكتاب الله ، فما لم أجد فبسنة رسول الله ﷺ، فإن لم أجد في كتاب الله و لا سنة رسول الله ﷺ أخذت بقول أصحابه ، آخذ بقول من شئت منهم، و أدع من شئت منهم، و لا أخرج من قولهم إلى قول غيرهم . فأما إذا انتهى الأمر إلى إبراهيم و الشعبي و ابن سيرين و الحسن و عطاء و سعيد بن المسيب و عدد رجالا، فقوم اجتهدوا ، فأجتهد كما اجتهدوا .''

(تاريخ بغداد، ج:۱۵، ص:۵۰۴، بهٰذا اللفظ ، رواه بسنده عن يحيى بن ضريس عن سفيان الثوري عن أبي حنيفةؒ. قال محقق الكتاب: د-بشار: هٰذا خبر إسناده صحيح و رجاله ثقات معروفون)

''میں سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں، پھر جو بات نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتا ہوں، پھر اگر مجھے وہ بات نہ تو کتاب اللہ میں ملے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تو میں صحابہ کرامؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کے قول کو چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، لیکن صحابہؓ کے اقوال سے باہر نہیں نکلتا، اور پھر جب معاملہ ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسن بصریؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، سعید بن مسیبؒ وغیرہ تک پہنچتا ہے تو یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے خود اجتہادات کیے، تو جس طرح انہوں نے اجتہادات کیے، میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔''

اس قول کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو منہجِ استنباط سامنے آتا ہے، وہ نمبروار یوں بنتا ہے:

۱:۔قرآن کریم ۲:۔سنتِ رسول ﷺ

۳:۔قولِ صحابیؓ ۴:۔اجتہاد

پھر یہ جو چوتھی چیز اجتہاد ہے، اس میں درج ذیل بڑے مناہج شامل ہیں:

۱:۔اجماع ۲:۔قیاس

۳:۔اِستحسان ۴:۔عُرف

اس طرح گویا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے منہجِ استنباط میں کل سات چیزیں ہیں اور آپ انہی کی روشنی میں اِستنباط فرماتے ہیں۔

قرآن کریم اور سنتِ نبویہ کا حجت اور اصولِ اجتہاد میں سے ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

البتہ عام طور سے قولِ صحابیؓ کو اصولِ اجتہاد اور مناہجِ استنباط میں ذکر نہیں کیا جاتا تو مناسب ہے کہ اس بارے میں حنفیہ کا موقف ایک جامع حوالہ کے طور پر نقل کر دیا جائے۔

امام ابوالثناء محمود بن زید اللامشی الحنفی الماتریدی رحمہ اللہ (توفي في أوائل سنة ٦٠٠ ھ) اپنی کتاب ''كتاب في أصول الفقه'' میں لکھتے ہیں:

''تقليد التابعي على الصحابيؓ المجتهد هل هو واجب؟ أكثر أصحابنا قالوا: إنه واجب، وجه قول العامة قوله ﷺ: ''اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر و عمرؓ''، و الأمر للوجوب. و قال ﷺ: ''إنما مثل أصحابي مثل النجوم في السماء، بأيهم اقتديتم اهتديتم''، بين أن في الاقتداء بهم اهتداء و المعقول وهو أن اجتهاد الصحابيؓ أقرب إلى الصواب من اجتهاد التابعي لما لهم من الدرجة الزائدة على ما قال النبي ﷺ: خيرالناس قرني الذين أنا فيهم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم و قال ﷺ: أنا أمان لأصحابي و أصحابي أمان لأمتي و لأن لهم ز يادة احتياط في ضبط الأحاديث و حفظها و ز يادة جد في التأمل فيها و البحث عن معانيهاو لهم ز يادة جهد و حرض في طلب الحق.'' (اصول الفقہ للامشی، ص: ۱۵۴-۱۵۵)

''تابعی پر مجتہد صحابیؓ کی تقلید لازم ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ہمارے اکثر اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ لازم ہے۔ ہمارے اِن اکثر اصحاب کی دلیل نبی کریم ﷺ کے درج ذیل دو فرامین ہیں: ''میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرو۔'' اور آپ ﷺ کا یہ فرمان حکم کی شکل ہے اور حکم (امر) وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ نیز آپ ﷺ کا یہ فرمان: ''میرے صحابہؓ کی مثال آسمان میں موجود ستاروں جیسی ہے، ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔'' اس فرمان میں آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ صحابہ کرامؓ کی اقتداء میں ہدایت ہے۔ نیز اس مسلک کے راجح ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ: صحابیؓ کا اجتہاد زیادہ درست ہوگا تابعی کے اجتہاد کے مقابلے میں۔ اور اس ترجیح کے اسباب درج ذیل ہیں: صحابہ کرامؓ کو تابعین پر فوقیت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو اُن کے بعد ہوں گے اور پھر اُن کا جو اُن کے بعد ہوں گے۔'' نیز نبی کریم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے: ''میں اپنے صحابہؓ کے لیے امان ہوں اور میرے صحابہؓ میری امت کے لیے امان ہیں۔''

نیز یہ بھی اسباب ہیں کہ احادیث کو ضبط کرنے، انہیں یاد رکھنے، ان میں زیادہ غور وفکر کرنے، ان کے معانی کی جستجو کرنے اور حق کی طلب میں کوشاں ہونے میں صحابہ کرامؓ کو تابعین پر فوقیت حاصل ہے۔''

(اور یہ سب باتیں اس کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کا اجتہاد تابعین کے اجتہاد سے زیادہ درست ہوگا، اور جب زیادہ درست ہوگا تو تابعین پر لازم ہوگا کہ وہ اقوالِ صحابہؓ کو حجت بنائیں۔ [مدثر])

حضرات صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کو فقہ حنفی میں جو اہمیت ہے وہ فقہ حنفی کے ماہرین سے مخفی نہیں، چنانچہ فقہ حنفی کے ایسے درجنوں مسائل ہیں جن کی بنیاد کسی نص پر نہیں، بلکہ اقوال واجتہاداتِ صحابہؓ پر ہے، اور اس میں حنفیہ اکیلے نہیں ہیں، بلکہ دیگر مذاہب میں بھی یہ روایت موجود ہے، مگر فقہ حنفی میں اس کو جو اہم مقام حاصل ہے، اس کی نسبت دیگر مذاہب میں وہ اہمیت نظر نہیں آتی۔ ''مصنف ابن أبي شيبة''، اور ''كتاب الآثار'' میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

## استحسان

استحسان درحقیقت قیاس کا ہی ایک شعبہ ہے، اسی لیے اکثر علمائے اصول نے اسے الگ سے منہجِ استدلال اور اصل کے طور پر نہیں لیا، بلکہ اس کی مباحث کو قیاس کی مباحث کے ضمن میں ہی ذکر کیا ہے، چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کو ایک ہی باب میں جمع کر دیا ہے اور عنوان قائم کیا ہے: ''باب القياس و الاستحسان'' اور پھر اس میں استحسان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''إنما الاستحسان عندنا: أحد القياسين، لكنه سمي استحسانا، إشارة إلى أنه الوجه الأولى في العمل به، و أن العمل بالآخر جائز.'' (اصول البزدوی:٦١١)

''ہمارے نزدیک استحسان قیاس کی دو شکلوں میں سے ایک شکل کا نام ہے، اور اس کا نام استحسان اس لیے رکھا، تاکہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو جائے کہ اُس قیاس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ دوسرے قیاس پر عمل کرنا فی نفسہ جائز ہوتا ہے۔''

الغرض یہاں استحسان کی مباحث ذکر کرنا مقصود نہیں، بلکہ فقط اتنا دکھانا تھا کہ استحسان بھی مذہبِ حنفی کے مناہجِ استدلال میں شامل ہے۔

## امام ابوحنیفہؒ پر قلتِ حدیث کا اعتراض اور اس کا جواب

امام صاحبؒ کے مناہجِ استنباط دیکھنے سے واضح ہوا کہ امام صاحبؒ پر یا حنفیہ پر قلتِ حدیث یا مخالفتِ حدیث کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے، وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ درج ذیل چند نکات سے صحیح

صورت حال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

۱:- امام صاحبؒ اپنے منہجِ استنباط میں قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ سنتِ نبویہ کو دیتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ ان پر مخالفتِ حدیث کا الزام بھی حقیقت سے تعلق نہیں رکھتا اور یہ کہنا کہ ''وہ قلیل الحدیث تھے'' یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ اجتہاد کی اساسیات میں جب دوسرا درجہ ہی سنتِ نبویہ کا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص حد درجہ قلیل الحدیث ہو اور پھر وہ بالاتفاق امام المجتہدین بھی ہو۔!!

۲:- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول احادیث اور مسانید کے مختلف مجموعے بھی اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان پر قلتِ حدیث کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے، وہ درست نہیں ہے، چنانچہ امام خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع المسانید'' کے نام سے تقریباً پندرہ مسانید جمع کی ہیں، جو سب کی سب امام صاحبؒ کی احادیث پر مشتمل ہیں۔

۳:- امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''حدیثِ مرسل'' کو بھی حجت تسلیم کیا ہے، جب کہ بعد کے بہت سے اہلِ علم نے ''حدیثِ مرسل'' کو حجت تسلیم نہیں کیا۔ (المدخل للسبکی: ص ۱۷۵)

۴:- حدیثِ ضعیف کو قیاس پر ترجیح دینا، چنانچہ فقہ حنفی میں ایسے متعدد مسائل موجود ہیں، جن میں قیاس کو ترک کر کے حدیثِ ضعیف پر عمل کیا گیا ہے، مثلاً نمازی کے قہقہے سے نماز ٹوٹ جانے کا مسئلہ ایسا ہے کہ قیاس کے برخلاف اس مسئلے کی بنیاد حدیثِ ضعیف پر رکھی گئی ہے۔

## امام صاحبؒ کی روایات کم کیوں ہیں؟

اس کے دو سبب ہیں:

۱:- امام صاحبؒ کا روایتِ حدیث پر کم توجہ دینا، بلکہ درایتِ حدیث پر توجہ مرکوز رکھنا، جس کا منشا اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے:

''مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.'' (متفق علیہ عن سیدنا معاویہؓ)

''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا اِرادہ کرتے ہیں تو اُسے دین کی سمجھ بوجھ عطاء کرتے ہیں۔''

۲:- روایتِ حدیث کے لیے سخت شرائط کو ملحوظ رکھنا اور اس کا منشا اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے:

''من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.'' (متفق علیہ عن سیدنا ابی ہریرہؓ)

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے تو وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ پکا کر لے۔''

چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

''والإمام أبو حنيفةؒ إنما قلّت روايته للحديث، لما شدّد في شروط الرواية والتحمل.'' (مقدمہ ابن خلدون، ج:۲،ص:۱۲۹)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایاتِ حدیث کم اس لیے ہیں کہ ان کے ہاں احادیث روایت کرنے اور انہیں حاصل کرنے کی شرائط بہت سخت تھیں۔''

## فقہِ حنفی کی قبولیت وترویج کا سبب: اجتہاد واستنباط پر کامل توجہ

اگرچہ اہلِ علم نے اس کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا بنیادی سبب ایک ہے اور وہ ہے: **''اجتہاد واستنباط پر کامل توجہ''**

اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ انسانی زندگی سے متعلق شرعی احکامات کو درج ذیل اہم شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

❶ عبادات ❷ معاملات ❸ اخلاقیات

اب عبادات کو دیکھیں تو ان میں جدید مسائل پیدا ہونے کا کچھ خاص مطلب نہیں، اسی طرح اخلاقیات کا معاملہ ہے، یعنی اخلاقیات بگڑنے کی تو مختلف شکلیں اور اسباب ہو سکتے ہیں، مگر خود عمدہ اخلاقیات جن سے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرنا مطلوب ہے تو ان میں بھی نت نئے اخلاق کا پیدا ہونا کوئی خاص واقعہ نہیں ہے، جب کہ اس کے برعکس معاملاتِ زندگی ایسے ہیں جن میں شب و روز نئی نئی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی میں اعمال کا جو وسیع ترین دائرہ ہے، وہ ''معاملات'' ہیں۔ عبادات کا دائرہ بھی محدود ہے اور اخلاقیات کا دائرہ بھی محدود ہے، جب کہ معاملات کا دائرہ کار ان سب سے وسیع ہے اور اس باب میں شریعت کا طرز یہ ہے کہ جو معاملہ جس قدر وسیع اور لامحدود ہے شریعت نے اس کے بارے میں زیادہ تر اصول وکلیات بارے رہنمائی کی ہے اور جزئیات سے کم ہی تعرض کیا ہے۔

دوسری طرف یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ حالاتِ زمانہ اور افرادِ زمانہ میں جس قدر تغیر آتا ہے، اسی قدر احکام میں بھی تغیر آتا ہے، جب کہ عبادات واخلاقیات میں یہ صورت حال نہیں ہے، اس لیے قدرتی بات ہے کہ جو مذہب زیادہ سے زیادہ نصوص تک خود کو محدود رکھے گا، وہ عبادات واخلاقیات میں

تو بہتر رہنمائی کر سکے گا، مگر معاملاتِ زندگی میں اس کا عمل دخل کم سے کم تر ہو جائے گا، اور جو مذہب نصوصِ قرآن وسنت اور اقوالِ صحابہؓ کی روشنی میں اجتہاد و استنباط پر توجہ مرکوز رکھے گا تو یقیناً وہ معاملاتِ زندگی کے نت نئے احکامات بارے زیادہ رہنمائی فراہم کر سکے گا، چنانچہ فقہائے حنفیہ نے اجتہاد واستنباط پر توجہ مرکوز رکھ کر معاملاتِ زندگی بارے شرعی حل سب سے زیادہ پیش کیا ہے اور یہی چیز سبب بنی اس بات کا کہ فقہِ حنفی نے مسلم معاشرے میں عبادات واخلاقیات سے لے کر سیاست ومعیشت تک اپنی جڑیں سب سے زیادہ مضبوط کیں اور اسی لیے ہر اسلامی دورِ حکومت میں عبادات کے احکامات کے علاوہ سیاسی، معاشی اور عدلیہ کے احکامات میں سب سے زیادہ رہنمائی فقہِ حنفی سے لی گئی ہے اور دیگر مذاہب کے معتبر اہلِ علم نے اس حقیقت کو ہر زمانے میں تسلیم کیا ہے۔

دیگر دو باتیں بھی اس سلسلے میں اہم ہیں:

۱:- امام صاحبؒ کا صاحبِ تجارت ہونا: چونکہ امام صاحبؒ خود تجارت سے وابستہ تھے اور بڑے تجار میں شمار ہوتے تھے، اس لیے شب وروز تجارتی معاملات سے آپ کو جس قدر واقفیت رہتی ہوگی وہ بالکل عیاں ہے۔ اس طرح آپ کی فقہ کا دائرہ کار محض درسی مجالس تک محدود نہیں تھا، بلکہ معاشرے کے اہم ترین حصے کے براہِ راست مشاہدے پر مبنی تھا، اور اس چیز نے آپ کے فقہی اجتہادات کا ذخیرہ کافی وسیع کر دیا تھا اور اسی کے ساتھ معاشرے کی ضروریات میں بھی دوسروں کی بنسبت زیادہ خود کفیل ہو رہا تھا، ایسے میں اگر یہ مسلک زیادہ مقبول ہوا، تو اس میں کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

۲:- دوسرا سبب یہ ہوا کہ جب امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ بنے تو ظاہر ہے کہ نت نئے مسائل میں انہوں نے جتنے بھی فیصلے کیے، وہ اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ کے ہی اصول اور قواعد کی روشنی میں کیے، اگرچہ امام ابو یوسفؒ خود بھی مجتہد تھے، مگر بہر حال انہوں نے اپنے اوپر ہمیشہ اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ کی علمی وفقہی تربیت کا رنگ ہی غالب رکھا، اس طرح مسلم معاشرہ فقہِ حنفی کے فیضان سے فیض یاب ہونے لگا اور یہی چیز خود فقہِ حنفی کے لیے بھی بے پناہ وسعت کا سبب ہوئی کہ بہت سے مسائل جو پہلے فقہ حنفی میں موجود نہ تھے، مگر جب وہ وقوع پذیر ہوئے اور فقہ حنفی کے ماہرین نے ان کے شرعی حل مستنبط کیے تو اس سے خود فقہِ حنفی کا تحریری ذخیرہ وسیع تر ہوتا گیا اور اس طرح دیگر فقہی مذاہب کی بہ نسبت فقہِ حنفی معاشرے میں زیادہ اثر انداز ہوتی رہی، جس کا اثر اب بھی علمی حلقوں میں تسلیم کیا جاتا ہے۔